بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

محترم مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ماہنامہ ''میثاق" لاہور کے تازہ شمارہ میں اسلامی مشاورتی کونسل اور اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پر تبصرہ فرمایا ہے ۔ اور خاص طور سے آخری ادارہ پر تنقید کی ہے ۔ اور اس کی بعض کوتاہیوں کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ اسی ضمن میں مولانا موصوف نے یہ بھی لکھا ہے :۔

'' اس میں شبہ نہیں ہے کہ علماء میں عام طور پر تقلید اور جدید حالات و مسائل سے بے تعلقی نے ایک قسم کا جمود پیدا کردیا ہے اور یہ چیز مذہب کے لئے نہایت مضر ہے لیکن ہمارے مستغربین کی بے راہ روی بھی علماء کے اس جمود سے کم خطرناک نہیں ہے ۔ صدر محترم کو اس جمود اور اس بے راہ روی دونوں پر نظر رکھنی چاہئے اور کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہماری قوم کے اندر معتدل و متوازن ذہن و فکر پیدا ہو ۔ اس کا واحد طریقہ یہی ہوسکتا ہے کہ اس قسم کے ادارے جدید و قدیم دونوں اسکولوں کے ایسے اشخاص پر مشتمل ہوں جن کے اندر علم اورکردار کے ساتھ ساتھ اعتدال و توازن ہو ''

محترم مولانا اصلاحی صاحب نے علماء کے جمود اور مستغربین کی بے راہ روی کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے' اس سے کسی کو کیا اختلاف ہوسکتا ہے۔ اور پھر اُن کی یہ رائے کہ '' کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہماری قوم کے اندر معتدل و متوازن ذہن و فکر پیدا ہو''، اُس کی اصابت وافادیت سے کون انکار کرسکتا ہے ۔ آج ہمارا معاشرہ جس دور سے گزر رہا ہے ' اُس میں خاص طور پر مذہبی اُمور میں جمود اور بے راہ روی سے بچ کر ذہن و فکر میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کی جتنی شدید ضرورت ہے ' شاید ہی کبھی ہو ۔

یقیناً مذہبی جمود سے قوم اپنی گردو پیش کی دنیا کو دیکھنے اور اُس کے بارے میں سوچنے کی صلاحیتوں سے محروم ہوجاتی ہے اور بے راہ روی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کے سامنے کوئی معین منزل نہیں رہتی اور اُس کی ساری توانائیاں ادھر اُدھر بھٹکنے میں صرف ہوجاتی ہیں ۔ غرض جمود اور بے راہ روی دونوں قوم کے لئے مہلک ہیں ۔

*

محترم مولانا نے اپنے " تذکرہ و تبصرہ " میں انتشار فکر کا بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو اپنی تحقیقات اور نظریات کے سلسلے میں عام مسلمانوں اور مذہبی طبقات کا حسن ظن اور اعتماد حاصل کرنا چاہئے ، ورنہ وہ انتشار فکر جو آج موجود ہے ، اس میں اور زیادہ اضافہ ہوگا ۔

اس بارے میں مولانا موصوف نے یہ تجویز کیا ہے کہ اگرچہ ایسے اشخاص جن کے اندر علم اور کردار کے ساتھ ساتھ اعتدال و توازن ہو ، ہماری قوم میں زیادہ تو نہیں ہیں لیکن موجود ہیں ۔ اگر صرف کام کی اہمیت پیش نظر ہو ، وہمی اندیشے مانع نہ ہوں ، تو اُن کی خدمات سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے ۔

*

اس میں شک نہیں جیسا کہ محترم مولانا اصلاحی نے فرمایا ہے ، ہمارے ہاں انتشار فکر موجود ہے لیکن یہ کیوں ہے ؟ اگر ہم اس کے مسببات اور محرکات معلوم کریں تو ایک تو مسئلہ زیر بحث کی بآسانی وضاحت ہو سکے گی ۔ دوسرے مولانا موصوف کو قوم میں ایسے اشخاص کے زیادہ نہ ہونے کی جو شکایت ہے ، جن کے اندر علم اور کردار کے ساتھ ساتھ اعتدال و توازن ہو ، اُس کا ماله و ماعلیه سمجھ میں آجائے گا ۔

درحقیقت پاکستان اس وقت عبوری دور سے گزر رہا ہے اُس کی دیہی و زرعی معیشت بڑی سرعت سے صنعتی معیشت میں بدل رہی ہے ، جس راہ کو دوسری قوموں نے سو سو دو دو سو سال میں طے کیا ۔ پاکستان کو یہ راہ بیس پچیس سال میں طے کرنا ہے ۔ اب دیہی و زرعی معیشت کے اپنے معاشرتی اور ذہنی تقاضے ہوتے ہیں اور جب صنعتی معیشت کا عمل درآمد ہوتا ہے ، تو وہ اپنے معاشرتی اور ذہنی تقاضے ساتھ لاتی ہے ۔ اس طرح پہلا معاشرتی نظام ٹوٹتا ہے ، اور چونکہ ابھی دوسرا بن نہیں پاتا ، اس لئے فکر میں انتشار ہوتا ہے جس سے لامحالہ کردار بھی متاثر ہوتا ہے ۔ اس قسم کی ذہنی و عملی اور

معاشرتی و اخلاقی افراتفری عبوری دور کا خاصا ہے۔ اور ہر قوم کو کم و بیش اس سے دو چار ہونا پڑتا ہے ۔

اب صنعتی معیشت کے بروئے کار آنے سے ہمارے ہاں زندگی کا جو نیا دور شروع ہو رہا ہے، اس میں آئے دن نئے سے نئے اور سنگین سے سنگین تر پیدا ہونے والے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک مکتب فکر تو یہ تجویز کرتا ہے کہ پیش نظر مسائل کو مسائل کے طور پر لیجئے اور انہیں آج کی دنیا کے مروجہ دستور کے مطابق حل کیجئے ۔ اگر اس سے ملت کے ماضی سے ، اسلامی روایات سے اور خود دین اسلام سے ذہنی و عملی رشتہ کٹتا ہے تو کٹا کرے ، ہمیں اس کی پروا نہیں کرنی چاہئے ۔

دوسرا مکتب فکر ان بزرگوں کا ہے، جن کے نزدیک زندگی حرکت نہیں ، سکون ہے ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ قلموں نے جو کچھ لکھنا تھا ، لکھ دیا اور سیاہی خشک ہوگئی ۔ ان کا اصرار ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے ، اور ہر بدعت بقول ان کے گمراہی ہے ۔ وہ نئے دور کا انکار کرتے ہیں ۔ اور اس کے تقاضوں سے بے خبر ہیں ۔

اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا مسلک ان دونوں مکاتب کے بیچ میں ہے اس کا یہ اذعان و یقین ہے کہ اپنی ملت کے دینی، فکری، تاریخی ، تہذیبی اور ثقافتی رشتوں سے کٹ کر ہم مادی لحاظ سے بھی آگے نہیں بڑھ سکیں گے ۔ کیونکہ ایک فرد کی طرح ایک قوم کی زندگی بھی ماضی حال اور مستقبل پر جامع ہوتی ہے ۔ اور اصل ضرورت ماضی کے انکار اور مستقبل سے آنکھیں بند کرلینے کی نہیں ، ان تینوں میں ہم آہنگی و مطابقت پیدا کرلے کی ہے ۔ نیز انتشار فکر و کردار حتمی طور پر نتیجہ ہوتا ہے ایک قوم کے ماضی حال اور مستقبل میں عدم آہنگی اور کھچاؤ کا ۔

انسٹی ٹیوٹ کی اپنی بساط کے مطابق کوشش یہ ہے کہ وہ ان تینوں کو دیکھے اور ان میں سے کسی ایک کی طرف سے بھی آنکھ بند نہ کرے ۔ وہ ملت کے دینی و علمی و تاریخی سرمائے میں سے کسی جزو کا انکار نہیں کرتا ، البتہ اس کے پیش نظر یہ ضرور ہے ، کہ وہ اس کی ہر چیز کو اس کے اصل موطن میں رکھ کر دیکھے اور اس کے صحیح تاریخی پس منظر میں اسے سمجھے ۔ اس سے ہر قدیم چیز جدید بلکہ جادواں ہوجاتی ہے اور اس طرح اس سے ہدایت بھی ملتی ہے ۔ اور نئی زندگی بھی ۔

مثال کے طور پر اس سلسلے میں انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے سنت کا جو تصور پیش کیا گیا ہے وہ محض ایک تحقیقی اپچ نہیں، بلکہ وہ ایک مثبت فکر ہے، جس کی اپنی مستقل تاریخ ہے۔ سنت کے اس تصور کو اپنا کر ہم قرآن، حدیث، آثار صحابہ اور کتب فقہ سے اس دور میں پیدا ہونے والے اپنے ہر مسئلے کو حل کرنے کے لئے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اسی طرح انسٹی ٹیوٹ میں اسلامی قوانین کی ترتیب و تدوین کا جو کام ہو رہا جب وہ کتابی شکل میں آئے گا، تو ملت کے ماضی، حال و مستقبل کو ہم آهنگ کرنے کی جو علمی کوششیں کی جا رہی ہیں ان کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

غرض انسٹی ٹیوٹ کے پیش نظر یہ مقصد ہے۔ اور وہ اس کے حصول میں حتی الوسع برابر کوشاں ہے۔

*

باقی رہا مولانا اصلاحی صاحب کا یہ ارشاد کہ "اس ادارے کی تحقیقات اور اس کے نظریات پر مسلمان قوم کو کبھی اعتماد نہیں ہو سکتا" اور پھر یہ کہ "اس ادارے کی جو لوگ سر براہی کر رہے ہیں، ان کے پاس زیر بحث مسائل میں رائے زنی کے لئے نہ شریعت کا کافی علم ہی ہے اور نہ وہ دیانت ہی ہے جو ان کی رایوں پر عام مسلمانوں اور مذہبی طبقات کے اندر حسن ظن اور اعتماد پیدا کر سکے"۔ سو ادارہ کے سربراہ لوگوں میں شریعت کا کافی علم اور دیانت نہ ہونے کے بارے میں مولانا نے جو کچھ فرمایا ہے سوائے اس کے کہ ہم اس پر احتراماً خاموش ہو جائیں اور کیا عرض کر سکتے ہیں۔ کسی کے علم اور دیانت کے متعلق یوں دو ٹوک فیصلہ دے دینا شاید مولانا موصوف اسے مناسب سمجھتے ہوں۔ لیکن ہم یہاں اس کا جواب نہیں دینا چاہتے کیونکہ ایسی باتوں کا اکثر الزامی جواب ہی دیا جاتا ہے۔

*

جہاں تک عام مسلمانوں کے اس ادارے یا اس قسم کے کسی اور ادارے سے حسن ظن اور اعتماد نہ رکھنے کا تعلق ہے، تو یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا ہمارے نزدیک کوئی ثبوت نہیں۔ اور ہر جماعت دوسری جماعت کے متعلق ہمیشہ سے اسی طرح کے دعاوی کرتی آئی ہے بفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ واقعی عام مسلمان اس ادارے سے ناخوش ہیں تو ہم مولانا سے باادب پوچھتے ہیں کہ کیا وہ تاریخ اسلام میں کوئی ایسی مثال دے سکتے ہیں کہ جب کسی نے عام مسلمانوں کے مروجہ معتقدات و خیالات سے ہٹ کر کوئی بات کہی ہو۔ خواہ اس بات کی تائید میں محکم آیات اور مستند

احادیث ہی کیوں نہ ہوں ۔ اس شخص سے ان کا حسن ظن قائم رہا ہو ۔ اور اس پر انہوں نے اعتماد کیا ہو ۔ اس لئے آپ کا یہ ارشاد کہ عام مسلمان اس ادارے سے حسن ظن اور اعتماد نہیں رکھتے ، محض ایک چلتا ہوا نعرہ ہے۔ اور اس طرح کے نعروں سے چونکہ بہت سے مذہبی حضرات اور مذہبی جماعتیں حال ہی میں کافی کام لے چکی ہیں ، اس لئے اب یہ بے اثر ہو چکا ہے ۔ جہاں تک عام مسلمانوں کا تعلق ہے ، ان کے اپنے مسائل ہیں ، جو ان کی روزمرہ کی زندگی پر اثر انداز ہو رہے ہیں ۔ ان کا دیرپا حسن ظن اور اعتماد صرف وہی حاصل کرسکتے ہیں ۔ جو ان مسائل کو حل کر سکیں ۔ اس طرح کے جذباتی نعروں سے اگر عام مسلمانوں کا حسن ظن اور اعتماد حاصل بھی ہو جائے تو وہ بڑا عارضی ہوتا ہے ۔ اور بعض مذہبی جماعتیں اس کا تجربہ کر چکی ہیں ۔

*

ہاں یہ ہمیں بے شک تسلیم ہے کہ مذہبی طبقات اس ادارے سے حسن ظن اور اعتماد نہیں رکھتے ۔ اور یہ بات سمجھ میں آنے والی بھی ہے کیونکہ مذہبی طبقات اکثر و بیشتر ذہنی طور پر اس دور سے متعلق ہیں جو گزر گیا ۔ اور اس کے لوٹنے کی اب کوئی گنجائش نہیں ۔ اور یہ ادارہ اس دور کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کر رہا ہے جس کی صبح طلوع ہو چکی ہے ۔ اور اس کا آفتاب نصف النہار پر آیا چاہتا ہے ۔ پاکستان صنعتی دور میں داخل ہو چکا ہے ۔ اور اب اس کا تیسرا پنج سالہ منصوبہ شروع ہونے والا ہے۔ چوتھے پنج سالہ منصوبے کی تکمیل پر پاکستان کی پوری زندگی بدلی ہوئی ہوگی ۔ یہاں مشین کا دور دورہ ہوگا ۔ اور اس کی وجہ سے خاندانی زندگی بدلے گی ۔ معیشت اور معاشرت بدلے گی ۔ عورت اور مرد کے تعلقات میں تبدیلیاں آئیں گی ۔ اور ظاہر ہے اس سے انفرادی و قومی ذہن بھی متاثر ہوگا اور لوگ اور ڈھنگ سے سوچیں گے۔ اس ادارے کے سامنے ملک و قوم کی یہ تصویر ہے۔ ادارہ جانتا ہے کہ جب کسی ملک میں مشین آتی ہے ۔ تو وہ اپنے ساتھ بہت سے مسائل اور اسی طرح بہت سی بلائیں بھی ساتھ لاتی ہے ۔ وہ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے سوچ رہا ہے۔ اس کی اس سوچ میں خامیاں ہو سکتی ہیں لیکن اس کی اس سوچ کی سمت صحیح ہے ۔ اور اس سے یقیناً مفید نتائج نکلیں گے ۔ مشین کا عمل دخل اب رکنے کا نہیں ۔ اس کا دائرہ‌کار برابر وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا ۔ اور لازماً اس سے ہماری زندگی متاثر ہوگی۔ اس میں نئے سے نئے مسائل پیدا ہوں گے اور انہیں ہمیں حل کرنا پڑے گا ۔

*

یہ خوشی کی بات ہے کہ مولانا اصلاحی صاحب علماء کے جمود سے خوش نہیں اور وہ اسے '' مذہب کے لئے انہایت مضر '' سمجھتے ہیں ۔ لیکن اس کے

ساتھ ھی ان کا یہ کہنا ھے ، کہ ھماری قوم میں ایسے اشخاص جو اگرچہ زیادہ نہیں ھیں ، موجود ھیں - جن کے اندر علم اور کردار کے ساتھ ساتھ اعتدال و توازن ھو- قوم میں ایسے اشخاص کا ھونا ، خواہ وہ زیادہ نہ بھی ھوں نہایت ھی مبارک چیز ھے - لیکن سوال یہ ھے کہ اول تو اعتدال و توازن کی تعریف کیا ھے اور دوسرے یہ کون فیصلہ کرے کہ فلاں شخص میں اس تعریف کے حامل اعتدال و توازن کا یہ وصف پایا جاتا ھے - محترم مولانا صاحب سے زیادہ کون جانتا ھے کہ مسلمانوں کی ھر مذھبی جماعت ھمیشہ سے اس کی مدعی رھی ھے کہ صرف اسی کا اعتدال و توازن کا مسلک ھے اور باقی افراط وتفریط پر ھیں - بے شک ذھن و فکر اور علم و کردار میں اعتدال و توازن کا ھونا بہت بڑی نعمت ھے - لیکن اس معاملے میں اکثر یہی دیکھا گیا ھے کہ

عین الرضا عن کل عیب کلیلۃ" ولکن عین السخط تبدی المساویا

*

قوم کے بہت ھی تھوڑے ایسے اشخاص ھیں جو مولانا موصوف کے ارشاد کے مطابق علم و کردار کے ساتھ ساتھ اعتدال و توازن رکھتے ھیں - وہ کون ھیں مولانا نے اس کی صراحت نہیں فرمائی - ھمارے نزدیک ان کے اعتدال و توازن کی صحیح جانچ ان کے علم وکردار سے ھونی چاھیئے - کیونکہ اکثر دیکھنے میں آیا ھے کہ بہت سے بزرگ جن میں بظاھر بڑا اعتدال و توازن تھا - جب ان کے سامنے کوئی ایسا سوال پیش ھوا - جس کے عملاً معقول اور عقلاً صحیح جواب دینے سے انہیں عام مسلمانوں اور مذھبی طبقات کے حسن ظن اور اعتماد سے اپنے محروم ھو جانے کا اندیشہ لاحق ھو گیا ، تو وہ اپنا سب اعتدال و توزان چھوڑ بیٹھے اور وہ جمود پرستوں کے بھی جمود پرست بن گئے - دراصل اس معاملے میں سب سے مقدم چیز پیش نظر مسئلے کا صحیح حل ھونا چاھیئے ، ایسا حل جو علماً و عقلاً بھی صحیح ھو - اور عملاً بھی معقول ھو - عام مسلمانوں اور مذھبی طبقات کا حسن ظن اور اعتماد کا سوال اس کے بعد آتا ھے - کیونکہ یہ‌چیز فی‌الحقیقت نہ واضح ھوتی ھے- اور نہ پائیدار، لیکن جن حضرات کے نزدیک سب سے مقدم چیز محض عام مسلمانوں اور مذھبی طبقات کا حسن ظن اور اعتماد ھی ھو ، ھمیں معاف کیا جائے ، ایسے حضرات سیاسی زیادہ ، عالم دین کم اور محقق اس سے بھی کم تر ھوتے ھیں - اگر احقاق حق اور تحقیق مسائل کا یہی معیار ھوتا اور اسی سے شریعت کے کافی علم اور دیانت کا فیصلہ کیا جاتا ، تو آج جن ائمہ کبار کا نام ھم بڑی عزت سے لیتے ھیں ، ان کا کبھی تاریخ میں وجود نہ ھوتا ، اور نہ کوئی نیا فکر اور نیا اجتہاد بروئے کار آسکتا -

*

محترم مولانا صاحب ! آج معاملہ خالی خولی نظریات کا نہیں - اس وقت ملک و قوم کے سامنے بڑے ٹھوس سنجیدہ اور دور رس اور ہمہ گیر اثرات کے حامل مسائل ہیں - ضرورت اس کی ہے کہ ان مسائل کو حل کرنے میں اسلام کا ایک مثبت کردار ہو اور اس کی حیثیت منفی یا غیر متعلق تماشائی کی نہ ہو - اس سے عام مسلمانوں کے لئے یہ حل وجدانی لحاظ سے بھی قابل قبول ہوں گے اور عقلی اعتبار سے بھی - مثال کے طور پر ضبط ولادت کا مسئلہ لیجئے - پاکستان کی آبادی جس رفتار سے بڑھ رہی ہے ' اگر اس کی یہی رفتار قائم رہی ، تو خواہ ہم اپنے معاشی وسائل کو کتنی بھی ترقی دیں ' ہماری اقتصادی بد حالی بتدریج بڑھتی جائے گی ، کم نہیں ہوگی - اور ایک مدت کے بعد تو یہ حالت ہو جائے گی کہ ہمارے لئے پوری آبادی کا پیٹ بھرنا تک مشکل ہو جائے گا - اسی طرح کا دوسرا مسئلہ عائلی قوانین کا ہے - ہماری بدلتی ہوئی نئی معیشت نے ہماری خاندانی زندگی کو بہت کچھ بدل دیا ہے - اور آگے چل کر اس میں اور بھی زیادہ تبدیلیاں ہوں گی - یہ حالات تھے جن کے تحت عائلی قوانین میں مناسب تبدیلیاں کی گئیں - ان دونوں مسئلوں سے بھی کہیں زیادہ اہم تر ملک کے معاشی وسائل کو ترقی دینے کے لئے ضروری سرمائے کی فراہمی کا مسئلہ ہے - جس کے ضمن میں بنک کاری کا نظام اور بنک کا منافع آتے ہیں -

اس سلسلے میں آپ نے ضبط ولادت اور عائلی قوانین کی انتہائی شدت سے مخالفت کی اور انہیں خلاف دین ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا - حالانکہ ان کے حق میں کافی دینی دلائل و شواہد موجود ہیں اور آپ کا تمام تر استدلال تحکمی ہے - اس کے باوجود اگر آپ کو اصرار ہے کہ علم اور کردار کے ساتھ ساتھ اعتدال و توازن کے مالک ایسے اشخاص ہیں - جو ضبط ولادت اور عائلی قوانین کی اس شدت سے مخالفت کرتے ہیں - تو پھر وہ علماء کون سے ہوں گے ' جن میں '' تقلید اور جدید حالات و مسائل سے بے تعلقی نے ایک قسم کا جمود پیدا کر دیا ہے '' - اگر اسی کا نام علم اور کردار کے ساتھ ساتھ اعتدال و توازن ہے تو پھر جمود کیا ہوگا -

---

ملت اسلامیہ کی یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ جب بھی کبھی تاریخ میں اصلاح و تجدید کی کوششیں کی گئیں ' ان کی اکثر اس بنا پر مخالفت ہوئی کہ یہ اقدام اجماع امت کے خلاف ہے - اگرچہ ان کوششوں کی تائید میں کافی دینی شواہد موجود ہوتے تھے - اب محترم مولانا اصلاحی صاحب اصلاح و تجدید کی ان کوششوں کی عام مسلمانوں اور مذہبی طبقات کے حسن ظن و

اعتماد کے نام سے مخالفت کرنے میں مصروف ہیں ، اور زیادتی یہ ہے کہ اسے وہ علم اور کردار کے ساتھ ساتھ اعتدال و توازن قرار دیتے ہیں اور دوسروں سے منوانا چاہتے ہیں -

*

پچھلے دنوں مشرقی پاکستان میں پھر زبردست طوفان آیا - جس میں بڑا جانی و مالی نقصان ہوا - ایک اطلاع کے مطابق کوئی پندرہ ہزار اشخاص اس ہولناک طوفان کی نذر ہوئے - اور مکانوں ، جائدادوں، کھیتوں اور مویشیوں کا جو نقصان ہوا اس کا تو اندازہ کرنا مشکل ہے - اس آفت سماوی کی ہمہ گیر تباہی و بربادی کا صدمہ ابھی تازہ تھا اور پورے ملک پر گہرے رنج و غم کی مہیب فضا ہنوز چھائی ہوئی تھی کہ ۲۰ مئی کی رات کے آخری حصے میں پی آئی اے کا ایک بڑا طیارہ ایک خطرناک حادثے کا شکار ہوگیا جس میں ۱۲۲ مسافر جاں بحق ہوئے اور بمشکل ۶ بچ سکے -

اس حادثے کا سب سے دردناک پہلو یہ ہے کہ ان جاں بحق ہونے والے مسافروں میں ۲۲ صحافی تھے ، جو پی آئی اے کی کراچی - قاہرہ - لندن کی اس افتتاحی پرواز کے سلسلے میں مدعو تھے - اس منحوس حادثے میں اتنی قیمتی جانیں کام آنے کا جو الم انگیز صدمہ ہوسکتا ہے ، وہ تو اپنی جگہ ہے ہی، لیکن اتنے کثیر التعداد ، تجربہ کار اور قابل صحافیوں کی اندوہناک موت سے ملک کی علمی و صحافتی زندگی میں جو خلا پیدا ہوگیا ہے ، وہ مشکل ہی سے پر ہو سکے گا - مرنے والوں کے عزیز و اقارب کے علاوہ پورے ملک کے لئے پی آئی اے کے طیارے کا یہ حادثہ ایک بہت بڑا صدمہ ہے - جس کا غم برسوں رہے گا - اور اس کے نقصان کی تلافی نہیں ہوسکے گی - اس صدمے کو سب نے اس طرح محسوس کیا اور وہ یوں مغموم رہے، جیسے کہ ان کے اپنے قریب ترین عزیزوں کا صدمہ ہے -

*

اس سال حج کے بعد مکہ معظمہ میں "رابطہ العالم الاسلامی" کا جو اجتماع ہوا وہ کئی لحاظ سے بڑا اہم تھا ، ایک تو اس دفعہ تقریباً تمام مسلمان ملکوں کے نمائندوں نے اس اجتماع میں شرکت کی ، دوسرے اس میں وہ تمام مسائل زیر بحث آئے ، جن سے اس وقت روئے زمین کے تمام مسلمان دو چار ہیں اور ان کے مناسب حل تلاش کرنے میں سرگرداں ہیں -

اس تاریخی اجتماع میں جو کچھ ہوا ، اس کی مفصل روئیداد فکرو نظر کے اگلے شمارے میں شائع کی جا رہی ہے - گویا اس لحاظ سے فکرونظر کا آئندہ شمارہ **رابطہ العالم الاسلامی** نمبر ہوگا -

*